کلامِ نیازی میں عصری شعور

ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم

Dr. Muhammad Ejaz Tabassam

Assistant Professor, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

فریال ارشاد

Faryal Irshad

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

The poets maintain the classic tradition of the poetry as well as the contemporary need of the time. This is the only tradition, brought forward in the tradition of modern poetry. Sultan Mehmood Niazi belongs to the same school of thought having depth of feelings and strong emotions in his poetry,collection of his poetry"شعلہ احساس"highlights the external matters of life and duty of contemporary poetic style, at thesame time he also express externaland internal feelings consciousness and all different issuesof life very successfully with the poetic fantasy. In this essay all the said qualities of the poetry which reflect the social cultural and contemporary thoughts of the society. Niazi have the truth of feelings hopes and wishes with thereality of life. In the essay the poetic characters and universal thought ofNiazi are describe in perspective of present age. We can easily digout the description of all issues about past present and future of a life of a human being.

سلطان محمود نیازی کی ابتدائی تعلیم و تربیت ادبی ماحول میں ہوئی۔ ادبی جرائد و رسائل، سخن فہمی سے وابستگی، گھر میں وسیع ذخیرہ کتب، اشفاق احمد، صوفی تبسم، منیر نیازی، حنیف رامے، صفدر میران کے معاصرین، ہم جماعت جی سی لاہور، پروفیسر کرار حسین، پروفیسر خلیل صدیقی، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، پروفیسر انوار رومان اور عطا شاد جیسے دانش وروں کی صحبت، مراسم، فیض ملا۔ ان کے کلام میں ان کی قلبی واردات کا اظہار ہے بلکہ فریب، کینہ و بغض، حسد، انسان کے مکروہ عزائم، تہذیبی خلفشار، قحط

الرجال، زوالِ تہذیب، انسانیت کا تقدس، روایات کی پاسداری، تہذیبی اقدار کی پامالی، مفلوک الحال لوگوں کے مسائل اور سرمایہ دارانہ نظام کی چیرہ دستیوں اور افلاس زدہ عوام کی ناگفتہ بہ حالت کے بنیادی موضوعات ہیں۔ وہ متنوع خیال کیفیات اور جذبات کے اظہار کو جس معصومیت اور سادہ لوحی سے بیان کرتے ہیں وہ قابل ستائش ہے۔ ان کا طرزِ بیان بہت سحر انگیز اور متاثر کن ہے۔ انسانی زندگی کے سماجی پہلوؤں اور معصوم تشنہ موہوم امنگوں کو بھی انھوں نے بڑی نازک خیالی اور خوبصورتی سے بیان کیا ہے ان کی نظم ''عکس ذات'' ملاحظہ کیجیے:

کرب کا سماں ہے کیوں
چارسو یہاں وہاں
ہر طرف ہیں منتشر
آرزو کی کرچیاں
دل میں خوف کا دھواں
جیسے کوئی راہزن
میرے گھر کے موڑ پر
اک اندھیری رات میں
اسلحے کے زور پر
مفلسی کی آڑ میں، واردات پر تُلا
چھین لے مرا سکوں
میں ٹھٹک کے چپ رہوں
اور پھر اسے کہوں
اتنے سنگ دل ہو کیوں
تم ہو میرے اپنے سے
کیوں بنے ہو راہزن(۱)

جب کہ نظموں میں ایک دوسری صورت حال ہے جو ذات کی اکائیوں کے اجتماعی رویے کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ اور اپنے اظہار میں مکمل مضمون آفرینی اور تکمیل کا تقاضا کرتی ہے۔ بالعموم ہماری نظمیہ شاعری میں اس امر کی طرف توجہ نہیں دی گئی کہ نظم مکمل فکری تسلسل اور یک جہتی اور موضوع کے اپنے بنیادی جوہر کو منکشف کرتی ہے اور یہ سارا تخلیقی عمل کہیں بین السطور اور کہیں نظم کے آخری حصے میں نتیجہ خیز صورت فراہم کرتا ہے۔ لیکن ہماری اُردو شاعری میں نظم پر ہمیشہ غزل کو ترجیح حاصل رہی ہے۔ اس لیے ہمارے متعدد غزل گو شعرا میں یہ عمل تشنہ لبی کا شکار رہا اور غیر مربوط بھی۔ کیوں کہ وہ نظم کو بھی تغزل کی تاثیر میں مزین کرنے کی کوشش میں تغزل کا سہارا لیتے ہیں جو نظم میں حسن و جمال کی چمک دمک تو پیدا کر دیتے ہیں مگر بعض اوقات نظم کے موضوع سے پورا انصاف نہیں کر پاتے یہ تشنگی سلطان محمود نیازی کے ہاں بھی ملتی ہے لیکن انھوں نے جن موضوعات کا انتخاب کیا ہے ان میں سے بعض نیا پن لیے ہوئے ہیں جن میں جنگی ترانہ، فلسفہ حیات، پھر بہار آئی، نذرِ اقبال، وارفتگی، سرورلمس، عکس ذات، اشک معصوم

اور تہذیب کے علمبرداروں کے نام نمایاں ہیں جب کہ بیش تر نظمیں غزل کے روایتی تناظر میں لکھی گئی ہیں جن میں زبان و بیان کی حسن و خوبی اور روحانیت کا پہلو قاری کو متاثر کرتا ہے اور یہ اپنی الگ اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کی نظم ''پھر بہار آئی'' کے چند اشعار دیکھیے:

گلوں کے لب پہ تبسم ہے پھر بہار آئی
تجلیات کا عالم ہے پھر بہار آئی
صبا کی مست خرامی، گلاب کی رنگت
تمھارے حسن سے قائم ہے پھر بہار آئی
کنول کے جام، چنبیلی کے خم سبھی بھر دو
گھٹا ہے، ہلکی سی رم جھم ہے پھر بہار آئی
بھڑکنے پائے نیازی نہ شعلۂ احساس
گذشتہ درد تو کچھ کم ہے پھر بہار آئی (۲)

شعلہ احساس میں کچھ گیت بھی شامل کیے گئے ہیں جنھیں پڑھتے ہوئے ہندی گیتوں، ہندی شاعری، ٹھمریوں اور غزل کی سی موسیقیت کا ایک طرف ملا جلا تاثر ملتا ہے دوسری طرف رومانی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

جنگی ترانہ میں نیازی کی وطن سے بے لوث محبت، جوانوں کی حوصلہ مندی، جہاد کی فضیلت، دینِ حق کی سربلندی کی خاطر جوش، قربانی، بلند ہمتی، پُرعزم زندگی کا شعور، دینِ حق کی پاسبانی، شوقِ شہادت کا جذبہ اور مذہب و وطن کی آن بان شان و شوکت کی خاطر خود کو سپرد کرنے کا ذوق اس کا مرکزی نقطہ ہے۔ عصری شعور سے وہ اپنے کلام کو مہمیز لگاتے ہیں۔

''جنگی ترانہ'' میں نیازی اک ''محبِّ وطن'' کے شاعر کے طور پر اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ اپنی پاک سرزمین سے ان کی وابستگی صوفی غلام مصطفی تبسم، جمیل الدین عالی اور حفیظ جالندھری جیسی دکھائی دیتی ہے انھوں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران یہ جنگی ترانہ تحریر کیا۔ دشمن کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملانے والے مجاہدان شیر دل اپنے سروں پر کفن باندھ کر الفتِ وطن کے لیے سرنگوں ہو کر شہیدوں اور دلیر غازیوں نے اپنے خون سے اس پاک سرزمین کو سینچا۔ ان محافظِ وطن پر اللہ کی رحمت ہو۔ یہ دینِ حق کے پاسباں دلوں میں اک سیل بیکراں لے کر وطن و مذہب کی حق و نصرت کے لیے کہکشاں بنے۔ پاک افواج کی عظمت و ہمت اور جواں حوصلوں کو وہ بڑے دل پذیر انداز میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ مجاہدانِ شیر دل، محافظ وطن، دلاورانِ صف شکن، دینِ حق کے پاسباں، بحر و بر کے حکمراں اور عزم کی چٹان جیسی بے مثل تراکیب سے انھوں نے اس میں جذباتی فضا پیدا کر دی ہے:

یہ عزم کی چٹان ہیں ، یہ بحر و بر کے حکمراں
یہ نور کی تجلیاں ، ہوا کے دوش پر رواں
بپا کریں یہ زلزلے ، میانِ فوجِ دشمناں
جھپٹ پڑیں ، بکھیر دیں یہ دشمنوں کی دھجیاں

یہ ہیں محافظ وطن خدا کی ان پر رحمتیں
جدھر جدھر ہوں گامزن ، سمٹتی جائیں ظلمتیں(۳)

ان کے کلام میں حمد ونعت، نظمیں، غزلیں، نمکین غزلیں اور گیت شامل ہیں جو نیازی کے گہرے فکری شعور کا اثاثہ ہیں۔ان کا مشاہدہ تیز، ذہن رسا، تاریخی شعور کہیں کہیں اسلامی تاریخ کے سرد گوشوں میں حرارت پیدا کرتا دکھائی دیتا ہے۔

''نذرِ اقبال'' میں انھوں نے خوبصورت تراکیب شناسائے مزاجِ وقت، دانائے راز، مردِ حق پرست، ترجمانِ حریت، شاعرِ تاریخ ساز، پروانۂ شمعِ حجاز، الفتِ شاہِ رُسل، اسرارِ خودی، پاک طینت، پاک باطن، پاک دل اور پاکباز جیسی خوبصورت تراکیب سے ''اقبال'' کو بڑے بامعنی الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

اقبال کی مفکرانہ بصیرت اور جرأت مندی نے ہی مجددِ عصر اور عہد ساز شخصیت کا تاج ان کے سر پر رکھا یقیناً وہ شناسائے مزاجِ وقت اور بے مثل دانائے راز تھے۔۲۰ ویں صدی میں ایسی تاریخ ساز شخصیت نہیں گذری جس نے اک پراگندہ اقلیت کو جرأتِ آزادی کا شعور عطا کیا۔وہ پاک باطن، پاک دل اور صدق ویقیں اور پاک بازی جیسی فطری صفات رکھنے والے انسان تھے۔نیازی انھیں الفتِ شاہِ رُسل پروانۂ شمعِ حجاز اور عشق کے عظیم راز داں کے طور پر جانتے ہیں۔وہ ایسے مردِ حق پرست اور ترجمانِ حریت ہیں جو عہدِ غلامی میں وقت کی نزاکت کو بھانپ چکے تھے اور اس سیلِ ظلمت میں زمانۂ حال کو اسرارِ خودی کا سبق آموز فکری شعور عطا کیا۔ان کی لحد پر رحمتِ الٰہی کی نزول ہمیشہ جاری رہے:

تھا شناسائے مزاجِ وقت وہ دانائے راز
جس کے ہر اک لفظ میں ہے موجزن سوز و گداز
جرأت اظہار کا حامل وہ مردِ حق پرست
ترجمانِ حریت، وہ شاعرِ تاریخ ساز
وہ خدا کا نام لیوا ، صاحب صدق و یقیں
پاک طینت، پاک باطن، پاک دل اور پاک باز
جس نے وجہِ ناز سمجھی الفتِ شاہ رُسل
عشق کا وہ رازداں ، پروانۂ شمعِ حجاز(۴)

''وارفتگی'' کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ نیازی سچے جذبوں اور امنگوں کی پھیلتی خوشبو کا شاعر ہے وہ مدہوش سلگتے لمحوں میں اک شوخ نظر کی نظروں کا اسیر ہے۔وارفتگی کے عالم میں محبوب کے لب ورخسار کھلے زلف، ڈھلکتے آنچل میں اقرار کی مدھم سرگوشیاں اس کے دل پہ رقصِ جاں کی طرح بکھری پڑی ہیں۔نینوں کے چھلکتے ساغر میں چاہت کی مچلتی مستی نے اس کی سانسوں کے مچلتے طوفان کو اک سیلِ بے پناہ میں بدل دیا ہے۔

جذبات کی یہ تیز رو نیازی کے ہم عصر شعرا احمد فراز، فیض، ناصر، شکیب جلالی، سلیم کوثر اور منیر نیازی کے کلام کی زینت بھی بنی تھیں نیازی انھی سے اثر پذیر لگتے ہیں۔اس نظم میں فکری گہرائی اتنی نہیں جتنی اشک معصوم تہذیب کے علمبرداروں کے نام اور پھول میں نظر آتی ہے۔وہ اسی سماج کے پروردہ ہیں جہاں ویرانیوں میں خاک چھانتی زندگی ظلم و جور اور مفلسی کے اندھے کنویں میں گر جاتی ہے۔ان نظموں کو پڑھ کر بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اسی سماج کے فرد ہیں۔انھوں نے زندگی اور اس کے کرب

کو قریب سے دیکھا اور محسوس کیا ہے۔

عکس ذات، اشکِ معصوم اور تہذیب کے علمبرداروں کے نام منظومات میں نیازی کا عصری شعور اُبھر کر سامنے آیا ہے۔ ''عکسِ ذات'' میں آرزو کی کرچیاں سمیٹتا کرب کا لبادہ اوڑھ کر ''نفس'' اک رہزن کی طرح کس قدر سنگ دلی کے ساتھ انسان کا سکون غارت کر دیتا ہے۔ یہاں علامتی انداز میں نیازی نے انسان کے اندر چھپے انجانے خوف کو کرب کا روپ دے کر ظاہر کیا ہے۔ ان کے خیال میں اس برِعظیم (ایشیا) کا سب سے بڑا کرب مفلسی ہے۔ جس نے انسانیت کی تمام حد پھلانگ کر اسے وحشی بننے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ اپنے نفس کی غلامی میں آدمیت کو پامال کرتا ہوا درندگی کی آخری منزل کو چھو لیتا ہے، بے حسی، بے رحمی، بے دریغ لوٹ مار نے اسے عزیز رشتوں سے دور کر دیتا ہے۔

عکسِ ذات کی آرزو آئینے کے سامنے وہ کھڑا انسان خود سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس کی روح کو سکون نہیں ہے نہ جانے کتنی زندگیاں اس نے پامال کیں، نہ جانے کتنے اس نے دل توڑے۔ احساسِ ذات اپنی آرزو کی کرچیاں چنتا آخر اس فانی دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ اس کے باطن انسان کا عکس ہی اسے دھوکا دیتا ہے۔ وہ سماج اور ماحول کا کرب زدہ لبادہ اوڑھ کر نہ صرف خود کو دھوکا دیتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی۔

''اشکِ معصوم'' میں نیازی کا سماجی شعور اپنی انتہا کو چھوتا ہوا نظر آتا ہے۔ ''شعلہ احساس'' کا مرکزی نقطہ ہی اک حساس شخص کی آرزوؤں اور کرب سے چور زندگانی ہے۔

سماج میں بڑھتی ہوئی غربت اور بے حسی اس کا موضوع ہے۔ معصوم بچوں کی کس طرح زمانے کی تاریخ راہوں میں آرزوئیں دم توڑتی رہتی ہیں۔ احساس نام کا مادہ اس بے حس سماج میں نظر نہیں آتا ان نفسیاتی بیماریوں کا علاج کیسے ممکن ہے۔ غیر اخلاقی امراض جنھوں نے سماج کی اصلی صورت کو مسخ کر دیا ہے حسد، کینہ، بغض، فریب، دھوکہ، جھوٹ وغیرہ۔

''اشکِ معصوم'' جیسی نظم میں انھوں نے سماج میں پستی انسانیت اور سرمایہ داروں کی ضمیر فروشی کو نشانہ طنز بنایا ہے۔ ناانصافی کے پلڑے میں جسم فروشی — بکتے ہوئے جسم — فیض کی نظم محبت سے پہلی سی محبت — کی تازہ روداد معلوم ہوتی ہے۔ معصوم بچے کی خواہشات کا زائچہ خوبصورتی سے کھینچا گیا ہے اس سماج پر ستم کس طرح ڈھائے جاتے ہیں۔

''اشکِ معصوم'' میں سرمایہ داروں کی چیرہ دستیوں اور افلاس زدہ عوام کی زبوں حالی کا نقشہ اس مؤثر انداز میں کھینچا گیا ہے کہ طبقاتی نظام کے غیر منصفانہ طور طریقے خود اپنی بدصورتی کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچتے دکھائی دینے لگتے ہیں۔

بے ضرر الفاظ میں نہایت شائستگی کے ساتھ سماج کے محاسن وعیوب، ان کے کلام میں درپردہ سماج کے عیوب جہاں — وہاں فکری وذہنی آزادی نے ان کی ذات کو مسمار کرتا ہے۔ سماج چشم بصیرت کے مصلحانہ شعور — ناصحانہ — سماج کی چیرہ دستیوں، سرمایہ داروں، غربت زدہ لوگوں کے چوسے ہوئے خون کی خوشبو ان کے لفظوں میں عطر بن کر دوڑ رہی یہ تحریک — یہ ترقی پسندانہ سوچ کے حامل ہیں ان کا تعلق بھی جوش کے ترقی پسندانہ، فیض — اسی قبیل سے تعلق ہے۔ انھوں نے سماج کے مثبت ومنافقانہ رویوں کے بیان میں بڑی پُر اسرار، غیر مرئی جذباتیت کا احساس، وجدان میں ڈوبی لے، ادراک وشعور — دھندلا احساسِ زیاں انھیں اور بھی بامروت تخلیقی جذبوں کا امین بناتا ہے۔ ان کے موضوعات اگرچہ اُردو شاعری کے روایتی منظر نامے کا عکس پیش کرتے ہیں مگر اپنے عہد کے تقاضوں اور سماجی صورتِ حال کے پیشِ نظر انھوں نے اسے نہایت بے باکی سے اسے اپنے کلام کا مقصد بنایا ہے۔ انسانی رویوں کا گہرا سماجی رنگ، شعلہ احساس میں جہاں جذبات کی اجلی صداتیں ہیں وہاں

احساس میں تحرک کی رعنائی بھی ملتی ہے۔ جہدِ مسلسل— انسانی آرزؤں کی تکمیل— تک بندی سے کام نہیں لیتے، محاورات، استعارات کو سلیقے سے پیش کرتے ہیں۔فیض کے اثرات کہیں کہیں:

جرمِ وفا پر میرے جگر کو نوچنے والو، رُک جاؤ
ٹوٹ رہی ہیں ہستی کی اب زنگ آلود زنجیریں(۵)

بجھا دو خود ہی نیازی یہ شعلہ احساس
خرد دے دست و گریباں نہ ہونے پائے جنوں(۶)

غزل کی ہیئت میں حمد یہ اور نعتیہ کلام اس کا حصہ ہیں۔نظم میں بھی کہیں کہیں تغزل کا رنگ اپنا عکس بکھیر رہا ہے۔گیت اگرچہ اس ادبی تشنگی سے رفع— مگران کی یہ کوشش حقیر قرار دیکر— دل آزاری کرنا ادب کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔

نیازی کی شاعری دعوتِ فکر دیتی ہے وہ اپنی زمین کی بو باس سے جڑے ہوئے ہیں۔اک طرح کا تہذیبی شعور ان کی تمام نظموں میں مختلف تشبیہات و تلازمات کا روپ لے کر جلوہ گر ہوتا ہے۔وہ اپنے عہد اور اس کے سماجی مسائل کے مبصر ہونے کے ناتے اک روح افزا اور متوازن طرزِ فکر کی حامل نظمیں تخلیق کرتے ہیں۔ان کی تخلیق کردہ ان نظموں میں اک خاص طرح کی المیاتی فضا اسے اور بھی قوت آفریں بنا دیتی ہے۔عذرا مرزا کا خیال ہے کہ:

> ''جنگی ترانہ، فلسفۂ حیات، نذرِ اقبال، وارفتگی، پھول، عکس ذات، اشک، معصوم، اور ''تہذیب کے علمبرداروں کے نام'' ان کی خوبصورت نظمیں ہیں۔جن میں ایک خاص قسم کا بہاؤ ہے۔رشتوں کے تقدس کا اظہار بھی ہے اور وطن کی محبت سے مالا مال بھی ہیں۔تشبیہات کا استعمال بھی روح افزا اور متوازن ہے ہر نظم کا رنگ جدا اور تخیل پوری طرح اپنے بنیادی خیال کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔''(۷)

وہ صدق ویقیں کی دولت سمیٹے چراغِ عزم لے کر عہدِ حاضر کے جوانوں کو فرطِ شوق میں پیغامِ الفت دیتے ہیں۔ان کی الفت کا دائرۂ کار انسان کی جذباتی زندگی تک محدود نہیں بلکہ لامحدود وسعت کا حامل ہے جس میں مذہب و وطن سے عشق اور انسانیت کا تقدّس لازم ہے۔وہ پھول کو الفت و امید کا استعارہ بنا کر پیش کرتے ہیں جس میں زندگی گذارنے کی سعیِ پیہم اور زندگی کی کرن نظر آتی ہے:

یہ پھول آج بھی مصروف سعیٔ پیہم ہیں
یہ پھول آج بھی دکھتے دلوں کا مرہم ہیں(۸)

سنگلاخ زمین، پتھریلی، فطرت کو قریب سے دیکھا۔بے ضرر لفظوں میں شائستہ احساس، رشتوں کا تقدس، روح افزا اور متوازن، فلسفیانہ اور ناصحانہ انداز، خوبصورت طنز، نظمیں، ''فلسفہ حیات'' میں تراکیب کا استعمال ان کے موضوع پر گرفت، وصلِ فریب آرزو، سیلِ خواہشات، موجِ الم، جیسی علامات ان کے ہاں ناتمام خواب کہیں وصلِ فریبِ آرزو کی صورت میں نمایاں ہوئے ہیں تو کہیں وقت کی راگنی نے آہ وفغانِ نیم شب کو لبوں کے زہرِ قاتل میں لذتِ بادہ وشباب کر دیا ہے۔

فلسفۂ حیات اور کنواں میں مماثلت موجود ہے۔وقت کی راگنی، زندگی کا سمندر سیلِ خواہشات پر فریب آرزو،

استعارے،تشبیہات، تلازمات، الفاظ کا چناؤ بڑا اہم ہے۔وصل وفراق جیسے موضوعات ہمیں مجید امجد جیسے شاعر کی پنجاب ثقافت کی یاد دلاتے ہیں۔

ان کے کلام میں اُمید کی کرن ''پھر بہار آئی'' زندگی کا احساس، یادِ ماضی، وارفتگی کا عالم کہیں کہیں شاعر کوتخیل،مگر ان میں جوشِ تلاطم،حسن و جمال کا تصور روایتی انداز کو سامنے لاتا ہے۔فطرت سے ہم آہنگی اور احساسِ ذات میں التفات، واقعہ نگاری، امیجری ہے:

صبا کی مست خراجی ، گلاب کی رنگت
تمھارے حُسن سے قائم ہے پھر بہار آئی
کنول کے جام، چنبیلی کے خم سبھی بھر دو
گھٹا ہے ، ہلکی سی رم جھم ہے پھر بہار آئی(۹)

''فلسفۂ حیات'' کا مرکزی نقطہ دراصل وصل وفراق اور فریبِ آرزو اور زندگی میں سیلِ خواہشات کی روانی ہے۔اس میں وقت کی راگنی، زندگی اندوہ وانبساط، اصل حیاتِ بیخودی، زندگی کی ناتمام آرزوؤں کا نوحہ وقت کی راگنی میں سیلِ بے پناہ بن کر تسکین وخودی کے صحرا میں مدغم ہو جاتا ہے۔وصل فریبِ آرزو ہے۔خودی جب اپنی انتہا کو پہنچ کر بے خودی کی منزل پر پہنچتی ہے اور یہی اصلِ حیات بے خودی ہے وصل وفراق بے معنی ہیں۔ بے خودی امتحان واحتساب سے بھی ماورا ہے۔انسانی زندگی کا ارتقا نظم ''پھر بہار آئی'' میں بخوبی ملتا ہے۔

نظم ''پھر بہار آئی'' جذبوں کی صداقت اور احساس کی توانائی سے ادراک کی منزل کے ابتدائی شعور کا پتا دیتی ہے۔ بہار ان کے نزدیک خوشیوں کا روایتی استعارہ ہے۔گلوں کے لب پہ تبسم، تجلیات کا عالم، التفات کا موسم، جوشِ طلاطم، حسن کے جلوے، صبا کی مست خرامی، گلاب کی رنگت، نغمۂ عنادل اور زخم کا مرہم جیسی لفظیات اسے اور بھی بامعنی بنا دیتی ہیں۔زندگی اِک جورِ مسلسل کے ساتھ ساتھ لطیف جذبوں کے ادراک کا نام ہے اس میں خوشی کا سماں روحانی فرحت کا متقاضی ہے۔

''اشک معصوم'' میں در پردہ چھپی اداسی اور آخر میں اُمید کی کرن اسے اور بھی جان دار بنا دیتی ہے۔اس کا موضوع ترقی پذیر ممالک میں افلاس زدہ سماج ہے غربت کا دکھ، بڑا گہرا اور جان لیوا ہوتا ہے۔ برصغیر میں معصوم بچے اور ان کے ارمان اندر ہی اندر دم توڑتے رہتے ہیں۔ ہمارے خود ساختہ اس طبقاتی نظام نے ہمارا امن وسکون برباد کر رکھا ہے۔کسی بھی قوم کے زوال کا سبب سب سے پہلے امرا بنتے انھیں دین ودنیا کی کچھ پروا نہیں ہوتی۔وہ اپنے ناپاک عزائم کی خاطر متوسط اور غریب طبقے پر ستم ڈھاتے ہیں۔ جنت و دوزخ— وہ مفلوک الحال لوگوں پر ذرا برابر رحم نہیں کرتے، ان کے اندر کی غیرت مر چکی ہے۔ انسانیت عصرِ حاضر میں دم توڑ چکی ہے۔تعیش میں جینا اور خودی سے گذرنا کا شیوہ ہے۔وہ زرق برق لباس پہنتے ہیں جب کہ مزدور طبقہ سسک سسک کر اپنی زندگی گزارتا ہے۔زمانے کی ناقدری نے انسان سے اس کے جینے کا حق بھی چھین لیا ہے۔اشکِ معصوم کا مرکزی خیال بھی یہی ہے کہ اس فانی دنیا میں بے پناہ مال وزر رکھنے والے لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پسِ پشت ڈال کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، وہ مظلوم طبقے پر عتاب بن کر برستے ہیں اور لوگوں کے حقوق غصب کرنا ان کا شیوہ ہے۔اگر چہ ان کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ مسکینوں، ناداروں، مفلسوں، حاجت مندوں اور فقیروں کی مالی امداد کیا کریں۔

بھوک اور افلاس براعظم ایشیا کا سب سے بڑا مسئلہ رہا ہے۔اس برعظیم میں انسانیت دشمن عناصر ہی اس کی بڑی وجہ

بھی ہیں۔امیری وغریبی پرطنز کیا گیا ہے۔روپے پیسے کی غیر منصفانہ تقسیم اور مالی بحران سے دوچار اس میں موجود ممالک اپنے وسائل ہوتے ہوئے بھی استعمال میں نہیں لاتے۔آئے دن یاس کی آگ میں جھلستے نہ جانے کتنے پھول سے چہرے مرجھا جاتے ہیں۔خواہشات اور ارمان کی تکمیل کی خاطر وہ خود کو امیر طبقے کی حرص وطمع میں بھری بھٹی میں جھونک دیتے ہیں۔یہ دنیا فریب وریا کے سوا کچھ بھی نہیں۔لوگوں کے جذبات واحساس سے کھیلنا امیر طبقے کا معمول ہے۔عشق وفا کے دعوے اور حسن و شباب کے جلوے دولت کی اس عارضی چمک کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں۔عہدِ حاضر کے سماج کو عیاری، کینہ وبغض، حسد، نفرت، جھوٹ اور دیگر غیر اخلاقی بیماریوں نے گھیر رکھا ہے۔تمام سماج مفلوج اور ایک اپاہج کی سی زندگی جی رہا ہے۔انھوں نے اس کی ظاہریت اور بباطن عیاری اور ظالمانہ روش پر سے پردہ اٹھایا ہے۔ان کے نفوس اپنی کینہ وری اور عیاری کے باوصف۔امیر طبقے کے مکروہ عزائم صرف جائیداد:

مرے کرچی کرچی خوابوں کو، پاکیزہ روپ میں جڑنے دو
یہ اشک مجھے تم چننے دو
مسکان لبوں پہ لے آؤ
نغمات الوہی سننے دو(۱۰)

اسی طرح ''تہذیب کے علمبرداروں کے نام''لکھی گئی نظم افغانستان پر امریکی جارحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔انسان کی بے حسی اور تفاخر وتکبر نے اس سے انسانیت کا حق بھی چھین لیا ہے۔اس میں ان کا عصری شعور اک کائناتی روپ لے کر اُبھرتا ہے۔انسانی تہذیب وتمدن کی پامالی خود انسان کے ہاتھوں اس ستم ظریفی اور بے حسی کی صورت میں افغانستان، عراق، ویت نام، کابل و ہرات جیسے تہذیبِ انسانی کے قدیم ترین علاقے کابل، بابل ونینوا، عراق کی تہذیب قدیم ترین خیال کی جاتی ہے۔ زمانے کی آنکھ اشک بار ہے اگرچہ انسان نے کائنات میں اپنے سائنسی کمالات کی بدولت خود کو انتہائی عروج کے زمرے میں داخل کرلیا ہے مگر اس کا یہ عروج ہی اس کے زوال کا سبب بن گیا ہے۔جس نے تہذیب کو آراستہ وپیراستہ کیا اب وہ غیر مہذب ہے تہذیب نوحہ گر ہے۔

حیران ہے چشم دہر تمھارے کمال پر
خود آپ تل گئے کہو تم اپنے زوال پر
بمبار لکھ رہے ہیں تباہی کی داستاں
تہذیب نوحہ گر ہے خود اپنے وصال پر
ویت نام ہو، عراق ہو یا کابل و ہرات
تھپڑ ہیں کتنے ثبت تمدّن کے گال پر(۱۱)

نیازی کے ہاں آرزوؤں کی تکمیل کا سفر لمبا ضرور ہے مگر لا حاصل نہیں اس میں جہد مسلسل کا راز پنہاں ہے۔آگہی کی منزل لاشعوری طور پر انھیں آگے بڑھنے کی طرف تیار کرتی ہے۔ان کا کائناتی شعور اور یونانی و ہندی دیومالائی ذوق ان کے لاشعور میں سمائی اک لامحدود تصور کو سامنے لاتا ہے۔

نیازی اپنے عہد سے کٹا ہوا شاعر نہیں ہے وہ ماضی، حال اور مستقبل پر یکساں اپنی نظر مرکوز کیے ہوئے ہیں۔دورِ حاضر

میں دہشت گردی اک عالمی مسئلہ ہے۔ وہ اپنے غم دل کا علاج درگاہ، دل و روح کی تسکین کے لیے وہاں جاتے ہیں مگر درگاہوں پر بہتے خون کے دریا، ماں کی اجڑی گود، سسکیاں بھرتی انسانیت ان کی روح کو بے چین کر دیتی ہے۔

پھر بھی وہ پُر امید ہیں کہ زندگی کے اس صحرا میں کوئی ابر کا ٹکڑا ضرور آئے گا اور امن کی آشا اپنے پر پھیلا کر سب کو سایۂ عاطفت مہیا کرے گی۔ نیازی کے کلام کو پڑھ کر یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ زندگی میں اک توازن، سنجیدگی اور یقین کامل کے قائل ہیں۔ وہ نمکین غزلیات میں جہاں اپنی حسِ مزاح کا اظہار کرتے ہیں وہاں سبق آموز طنز سے بھی اپنی علمیت اور صداقت کا اقرار کرتے ہیں۔ اس سے وہ سماجی تمثیلات کا، حکایات کا سہارا لے کر انسان کو شعور کی آگاہی عطا کرتے ہیں۔

تمھارا علم ہے—

ندی میں بیٹھ—

ان کے کلام میں موجود حمد،نعت اور دیارِ حرم کے عنوان سے نظم درحقیقت غزل کی ہیئت لیے ہوئے ہے۔ وہ بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہیں۔

نظم ''پھول'' میں نیازی کا تصورِ حسن و جمال اپنے عروج و دکھائی دیتا ہے۔ پھولوں کا آرائشِ عروس جہاں ہونا، بہار کا ساماں، گلستانِ ارم، پیغامِ حب والفت، پھول پرتوِ رحمت جیسے شعری تلازمات کا خوبصورت استعمال اس نظم کی معنویت کو قاری پر واضح کرتا ہے۔ پھول حسن کی علامتِ دل پذیر ہے زمین کی گود بھرائی، یہ انسانی زندگی اور روح میں تازگی کا سبب۔ اس نظم کو انھوں نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلا حصہ پھولوں کی اہمیت، حمد و نعت اس مجموعے دو حمد، ۹ نعتیں، ایک نظم دیارِ حرم میں۔ اس کتاب کو ۵ مختلف گوشوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں حمد و نعت دوسرے حصے میں ۱۵ نظمیں، ۳۳ غزلیات، ۵ نمکین غزلیں اور ۴ گیت شامل ہیں۔

نیازی اپنے کلام میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کو بخوبی نبھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ امتِ مسلمہ پر کائنات میں ڈھائے جانے والے ستم فلسطین، کشمیر، چیچنیا، عراق، افغانستان پر عفریب بے حسی سامنے آتی ہے۔ ہتھیاروں کا بے جا استعمال اور اس کے نتیجے میں بڑھتے مسائل کی طرف بھی انسانیت کی توجہ مبذول کرواتے ہیں۔ زمین کا بنجر ہونا، افلاس کا بڑھنا، انسانی بے حسی اور نحوست کا بڑھنا، ''آفتوں کا نگر''، نویدِ حیات، جبر کا عفریب، گلِ امیدِ نجات، پھول کی علامت کو در پردہ انھوں نے انسانی مزاج خوشی و غم کے ساتھ مربوط کر کے پیش کیا ہے۔

کہیں ہے جبر کا عفریت محوِ پامالی
کہیں ہیں پیٹ کے دوزخ غذاؤں سے خالی
اس آفتوں کے نگر میں ہیں گل امیدِ نجات
ہیں پھول کشمکش زیست میں نویدِ حیات(۱۲)

زمیں کا حُسن ہے پامال جبر کے ہاتھوں
ستم کے پھیلتے مسموم ابر کے ہاتھوں(۱۳)

جہاں بھی ظلم و ستم ، جبر کا اندھیرا ہے
وہیں پہ پھولوں کا تابانیوں کا ڈیرا ہے(۱۴)

کہیں فلسطیں میں بہتا ہے خوں مسلماں کا
کہیں ہے تیل کی صورت خراج ایماں کا(۱۵)

ادھر ہے وادیِ کشمیر روز مشقِ ستم
اُدھر ہیں ظلم کے سامان چیچنیا میں بہم(۱۶)

نیازی نے اس علامت سے انسانیت سوز درندوں کے ضمیروں کو جگانے اور احساسِ ذمہ داری کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

''احساسِ تنہائی''، نظم ''احوالِ شام'' میں اپنے بام عروج پر ہے۔ شام ڈھلنا، دل سے ہوک اٹھنا، جگر سے دھواں اٹھنا، آنکھوں میں شبنم بھرنے، اُس کے دیپک، بے بسی کا بین کرنا، کسی حسین پیکر کا یاد آنا، نبض کا ڈوبنا، پیشانی کا جلنا یہ سب کی ماورائی تصور کی آئینہ دار نہیں ہیں بلکہ انسانی زندگی کے وجود اور احساس سے عبارت یہ تلازمات ان کی شاعری کا مرکزی نقطہ آس اور احساس ہے:

جیسے ہی شام ڈھلنے لگتی ہے
ہوک سی دل میں اٹھنے لگتی ہے
اک دھواں سا جگر سے اٹھتا ہے
شبنم آنکھوں میں بھرنے لگتی ہے
بجھتے جاتے ہیں آس کے دیپک
آرزو ہاتھ ملنے لگتی ہے(۱۷)

کلام نیازی میں فکری نزاکت اور سماجی شعور کا احساس ہجرت کے کومل جذبوں میں تیار ہوا ہے۔ وہ کھوکھلی جذباتیت اور اپنے احساسات میں درشتگی کی بجائے اعتدال پسندانہ خیالات اور حب الوطنی کے تقاضوں کو نبھاتے نظر آتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو ان کی شاعری کا علامتی نظام موجِ الم، شعلۂ احساس، دانائے راز مردِ حق پرست، شفاف خزینے، روایاتِ حریت، قلبِ حزیں، قیامت شبِ ہجر، دیارِ تمنا، دیوانگیٔ شوق، مسیحائی، خونِ جگر، دشتِ تمنا، رہِ طلب، نوکِ سناں، چمن، جنوں، قبا، اشک معصوم، حشر، گردشِ دوراں، فسانۂ زنداں، جنگ، دوزخ، تقصیرِ وفا، غمِ ہستی، غمِ حیات، نقاب، لالہ و گلاب، چشمِ دوراں، دیدۂ بینا، وارفتگیٔ جاناں، سرورِ لمس اور خاک نشیں جیسی خوبصورت لفظیات سے ترتیب پاتا ہے۔

عصرِ حاضر کے استعماری نظام اور سماج پر ہونے والے ستم کو وہ احساس کے محدب عدسے سے بلاتفریق و مذہب دیکھتے ہیں اور معاصر سیاسی مدوجزر کو اپنی غزل کے فکری نظام اور زبان کے روایتی رمزوایما اور استعاراتی و کنایاتی جہات کی روشنی میں بکھیرتے ہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔　سلطان محمود نیازی، شعلۂ احساس، عکسِ ذات، مشمولہ: شعلۂ احساس، لاہور: کانٹی نینٹل سٹار پبلشرز، ۲۰۱۷ء، ص:۴۷۔۷۵

۲۔　سلطان محمود نیازی، پھر بہار آئی، مشمولہ: شعلۂ احساس، ص:۵۷۔۵۸

۳۔　سلطان محمود نیازی، جنگی ترانہ، مشمولہ: شعلۂ احساس، ص:۵۴

۴۔　سلطان محمود نیازی، نذرِ اقبال، مشمولہ: شعلۂ احساس، ص:۹۱

۵۔　سلطان محمود نیازی، شعلۂ احساس، ص:۱۰۹

۶۔　ایضاً، ص:۱۰۰

۷۔　عذرا مرزا، سلطان محمود نیازی اوران کی شعری جہتیں، مشمولہ: شعلۂ احساس، از سلطان محمود نیازی، ص:۱۶

۸۔　سلطان محمود نیازی، پھول، مشمولہ: شعلۂ احساس، ص:۷۲

۹۔　سلطان محمود نیازی، پھر بہار آئی، مشمولہ: شعلۂ احساس، ص:۵۸

۱۰۔　سلطان محمود نیازی، اشک معصوم، مشمولہ: شعلۂ احساس، ص:۸۲

۱۱۔　سلطان محمود نیازی، تہذیب کے علمبرداروں کے نام، مشمولہ: شعلۂ احساس، ص:

۱۲۔　سلطان محمود نیازی، پھول، مشمولہ: شعلۂ احساس، ص:۷۰

۱۳۔　ایضاً، ص:۶۹

۱۴۔　ایضاً، ص:۶۹

۱۵۔　ایضاً، ص:۷۰

۱۶۔　ایضاً، ص:۷۰

۱۷۔　سلطان محمود نیازی، احوال شام، مشمولہ: شعلۂ احساس، ص:۷۷

☆......☆......☆